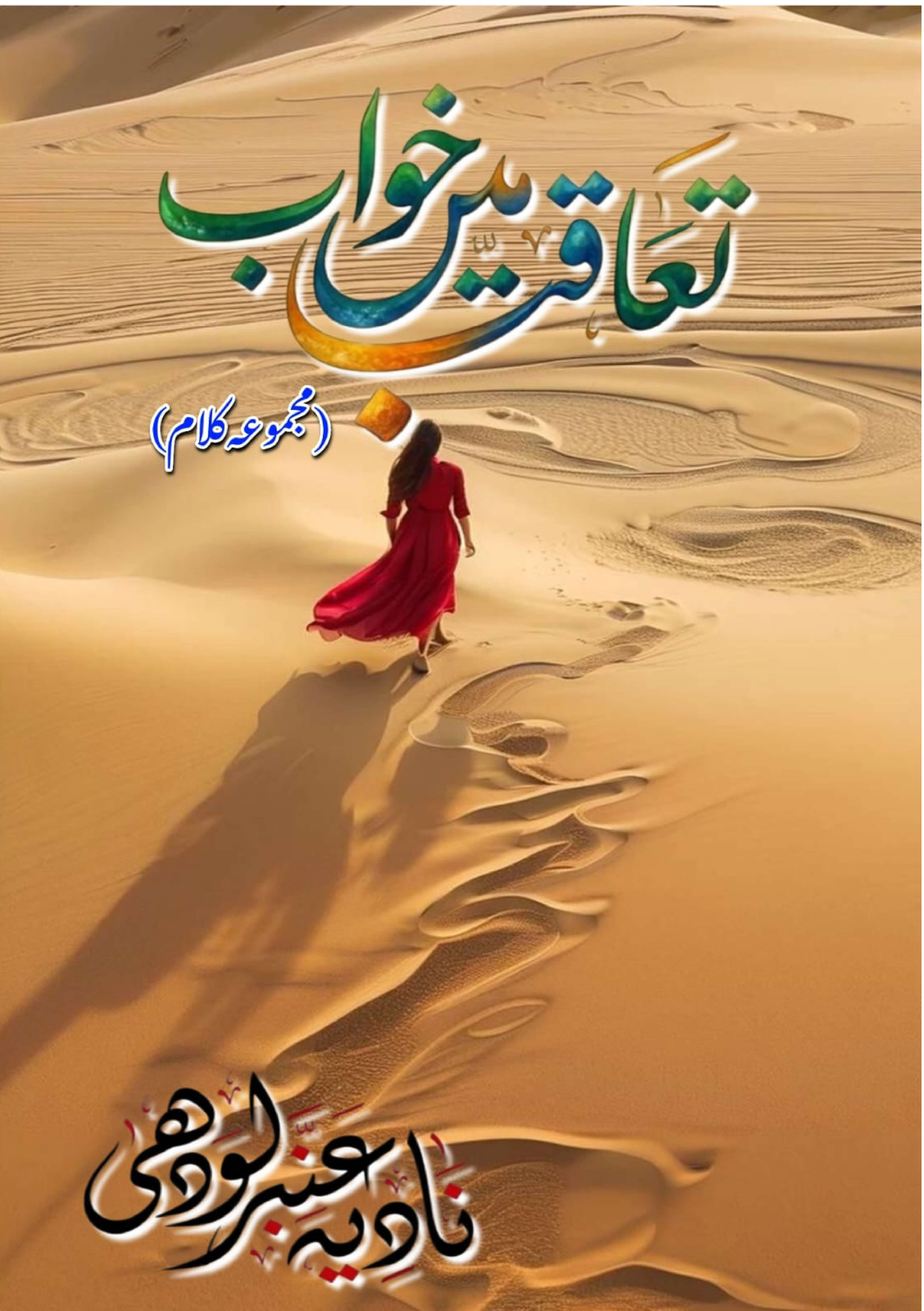
تعاقب میں خواب
(مجموعہ کلام)
نادیہ عنبر لودھی

تعاقب میں خواب

(غزلیں، نظمیں)

شاعرہ

نادیہ عنبر لودھی

قلم کتاب ای پبلشرز
واٹس ایپ نمبر 03010487501

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: تعاقب میں خواب

شاعرہ: نادیہ عنبر لودھی

موضوع: شاعری

تزئین و آرائش: محمد عثمان ذوالفقار

کتابت: ابنِ قلم

برقی اشاعت: اپریل 2026ء

سوشل میڈیا انچارج: ماہ رخ شہریار

ناشر: قلم کتاب ای پبلشرز

قلم کتاب ای پبلشرز

واٹس ایپ نمبر 03010487501

پابہ جولاں تو ہر اک شخص یہاں ہے عنبر
تری زنجیر ہی کیوں شور بپا کرتی ہے

(نادیہ عنبر لودھی)

انتساب

راہ زیست کے ہمسفر پروفیسر شیراز لودھی کے نام

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	احساسات کی شاعرہ	9
	کچھ اپنے بارے میں	11
	خاکی	13
	نعت	16
	رباعی	18
	غزل	19
	غزل	21
	غزل	23
	شاعروں کی دنیا	25
	غزل	27
	قائد کا پاکستان	29
	غزل	31
	اداسی	33
	غزل	35

پہلا قطرہ	37
غزل	38
رات	40
گیسٹ ہاؤس	43
غزل	46
ایک عورت	48
غزل	50
ماضی	52
غزل	55
گناہ	57
غزل	59
شاعر	61
غزل	64
خون کا اثر	66
شعر	68
آکٹوپس	69
غزل	71

مشرقی عورت	73
مشرقی مرد	75
غزل	77
خواب	79
غزل	81
غزل	83
فنکار	85
آگہی	86
حبس	87
غزل	90
خوش دامن	92
باندیاں	104
متشاعرات	116
کمائی	119
عورت	121
فردوس اعلیٰ	123
قطعات	124

احساسات کی شاعرہ

اردو شاعری کے افق پر ایک کہنہ مشق شاعرہ کا ظہور ہوا ہے۔نادیہ عنبر لودھی نے جذبے کی سچائی کو لفظ کی حُرمت سے جوڑ کر خوب صورت شاعری کی تخلیق کی ہے۔یہ ان کی بہترین کاوش ہے۔ جہاں وہ عروضی موشگافیوں سے بخوبی نبرد آزما رہی ہیں۔وہاں انہوں نے تخلیقی ندرت کو بھی کمال سلیقہ سے برتا ہے۔جس کی اٹھان ایسی ہے اس کی اڑان کیسی ہوگی۔

نادیہ عنبر لودھی شاعری کے افق پر ایک نئی روشنی ہے۔یہ روشنی کسی چاند میں ڈھلے گی یا ستارے کا روپ دھارے گی اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا۔نادیہ ایک ایسی شاعرہ ہے جس کے ہاں جذبات کی فراوانی ہے۔عشق مجازی سے بالا عشق ِ حقیقی کی حکمرانی ہے۔نادیہ عنبر اردو شاعری میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ان کا مجموعہ کلام تعاقب میں خواب شاعری میں ایک نئی امنگ، نئی ترنگ ہے۔وہ نسوانی جذبات کا اظہار بھی بشریت کے پردے میں کرتی ہیں۔

تجسس کی نظر سے دیکھتا ہے وقت بھی مجھ کو
میں کُھلتی ہی نہیں اس صاحب ِاسرار کے آگے
فروزاں ہے ہر اک لذت سے لطف وصل کی سارے
کہ ساقی خود سُبو لائے شب بیدار کے آگے

نظم کی صنف دیکھیں تو انداز جداگانہ ہے موضوعات تازہ ہیں۔شاعری زندگی میں محبت اور محبت

میں زندگی کا دوسرا نام ہے۔محبت کے حوالے سے کئی نظمیں کتاب کا حصہ ہیں۔

میرا نادیہ عنبر لودھی سے تعارف شاعرہ کی حیثیت سے ہوا۔میں نے انہیں اپنے اخبار ''خبریں مانچسٹر یوکے'' میں کلام بھیجنے کی استدعا کی۔اس وقت نادیہ عنبر لودھی برطانیہ کے اخباروں میں کالمز کے ذریعے نثر نگاری کے جوہر دکھا رہی تھی۔ بعد ازاں میرے اخبار میں بھی مضامین اور افسانے لکھے۔ پاکستان کا مثبت کردار عالمی سطح پر بلند کرنے کے لیے محترمہ نے بہت لگن سے کام کیا۔اسی محنت سے متاثر ہوکر میں نے میڈم کو اسلام آباد پاکستان سے اخبار کی ادارت سونپی۔ریذیڈنٹ ایڈیٹر اسلام آباد کا عہدہ نادیہ عنبر لودھی کو دیا گیا۔گزشتہ دس برس سے وہ اس عہدے پر بخوبی کام کررہی ہیں۔وہ پاکستان سے نئے لکھنے والوں کو رہنمائی مہیا کرتی ہیں اور انکا بھیجا گیا مواد اصلاح کے بعد اخبار کی زینت بناتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دیگر ملکی اور غیر ملکی اخباروں، ادبی جریدوں اور ڈائجسٹوں میں بھی لکھتی ہیں۔وہ ایسے موضوعات پر لکھتی ہے۔جن میں اصلاحی، ادبی اور اثباتی انداز میں معاشرے کی تربیت کا اہتمام ہوتا ہے۔ان کا یہ ادبی سفر محنت، لگن اور ہمت سے جاری ہے۔زیر نظر کتاب میں محبت کے روایتی مضمون کے ساتھ ساتھ جبر وقدر کا فلسفہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ان ہی کاوشوں کی وجہ سے نادیہ عنبر لودھی کو انگلینڈ میں ادبی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ نادیہ عنبر پاکستان سے ایوارڈ لینے والی واحد لکھاری ہے جس کو 2015ء میں مانچسٹر میں ادبی ایوارڈ دیا گیا۔ نادیہ عنبر نے شاعری اور نثر دونوں میدانوں میں خود کو منوایا ہے۔اور بہت کم وقت میں برطانیہ کے ادبی حلقوں میں پہچان بنائی ہے۔میں اور میری مجلس ادارت نادیہ عنبر لودھی کو مبارکباد پیش کرتی ہے اور انکے زور قلم کے لیے دعا گو ہے۔

محمد جاوید خان

بانی اور چیف ایڈیٹر۔خبریں مانچسٹر یوکے۔برطانیہ (+4407775767018)

کچھ اپنے بارے میں

لکھنے کا گہرا تعلق پڑھنے سے ہے۔بچپن سے کتب بینی کا شوق تھا۔ساتویں جماعت میں لکھنے کی طرف طبعیت مائل ہوئی تو پہلی محبت شاعری سے استوار ہوئی۔میری نزدیک شاعری صرف جذبات کا اظہار نہیں ہے- میں لکھتی ہوں کیونکہ لکھنا میرے لیے آکسیجن ہے یہ ہی وجہ ہے کہ میری شاعری میں کتھارسس کا رنگ نمایاں ہے۔آج کئی شاعروں کی شاعری کا مقصد صرف مشاعرے پڑھنا رہ گیا ہے۔ میرے نذدیک واہ واہ کے لیے شاعری کرنا اور شہرت کے حصول کے لیے کوشش کرنا، مشاعروں کے پیچھے بھاگنا شاعری کا اصل مقصد نہیں ہے۔میں لکھتی ہوں کیونکہ لکھنا نہ لکھنے سے بہتر ہے۔

میرا یہ مجموعہ کلام داستاں ہے کچھ خوابوں کی، کچھ حیرتوں کی، کچھ جستجوؤں کی، کچھ حسرتوں کی۔امتدادِ زمانہ کے بعد منظر عام پر آنے والی اس کتاب کی زیادہ تر نظمیں اور غزلیں زمانہ طالب علمی میں کہی گئی تھیں۔کبھی کبھی وقت کی بساط پر انسان بہت مجبور ہو جاتا ہے۔عرصہ دراز تک اس کتاب کے منظر عام پر نہ آنے کی کئی وجوہات تھی لیکن الحمدللہ یہ کتاب آخر کار پڑھنے والوں کے سامنے ہے۔

سوشل میڈیا کی بدولت اس کتاب کی کئی نظمیں اور غزلیں گزشتہ پندرہ سال سے میرے فیس بک، انسٹا، ویب سائٹ اور یوٹیوب پر اور دیگر شاعری کے پیجز پر پوسٹ ہوتی رہی ہے۔جڑواں شہروں کے ادبی حلقوں میں شاعروں اور ادیبوں کے ساتھ گزشتہ کئی برس سے رفاقت رہی ہے اور قائم ہے-ان ادبی ساتھیوں میں دوبار منتخب سیکریٹری حلقہ ارباب ذوق راولپنڈی احمد رضا راجہ (حرف کدہ) ہیں، مصور اور شاعر مظہر شہزاد خاں ادبی تنظیم کسب کمال کے چیرمین ہیں، ڈاکٹر جنید آزر جو ادبی تنظیم اشارہ انٹرنیشنل

کے صدر ہیں، خاندانی شاعر اطہر ضیا ادبی تنظیم شعر و ادب پاکستان کے سیکریٹری ہیں۔ان تنظیموں کے تحت ہونے والے مشاعروں میں حصہ لیا اشارہ ادبی انٹرنیشنل ایوارڈ 2019ء میں ملا۔راولپنڈی آرٹس کونسل، اکادمی ادبیات پاکستان اور اسلام آباد پریس کلب میں منعقدہ مشاعروں اور ادبی تقریبات میں حصہ لیا۔جس سے میری تربیت ہوئی۔بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں شامل کئی غزلیں اور نظمیں اخباروں کے علاوہ موقر ادبی جریدوں ادب لطیف، تسطیر، بیاض، انشاء اور سائبان، نیرنگ خیال، چہار سُو، دیدبان میں چھپ چکی ہیں۔ان ادبی جریدوں میں تواتر سے میری لکھی ہوئی کہانیاں، افسانے اور ادبی تنقیدی مضامین بھی چھپتے ہیں۔نیز اخباروں کی زینت بھی بنتے ہیں۔ہم خیال اور ہم مزاج افراد کا ساتھ زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے۔لیکن ہر کسی کو یہ نعمت نہیں ملتی۔کبھی کبھی نامساعد حالات کا شکار بن کر زندگی گزرنے لگتی ہے۔

جس سماج کا ہم حصہ ہیں وہاں ایک عورت کے لیے صرف فرائض کی بات کی جاتی ہے حقوق کی نہیں۔ایسی حبس کی فضا میں قلم اور کتاب ہی لکھاری کا سہارا بنتے ہیں۔حبس کی فضا سے نکلنے کے لیے میں نے تعلیم کا سہارا لیا۔دینی اور دنیاوی تعلیم حاصل کی۔اردو زبان و ادب میں پنجاب یونی ورسٹی سے ماسٹرز کیا۔ادبی میدان میں قلم نے شاعری سے نثر نگاری کی طرف رخ کیا۔میں نے کالمز، سماجی، ادبی، تنقیدی مضامین، افسانے، کہانیاں اور ناول لکھے۔برطانیہ کے اخبارات سے نثر نگاری کا آغاز کیا پھر پاکستان کے اخبارات میں کالمز لکھے۔اس طرح لکھنے کا یہ سفر جاری و ساری ہے۔

شاعروں میں غالب اور اقبال پسندیدہ ترین ہیں اس کے علاوہ ایک طویل لسٹ ہے کلاسیکل اور جدید شعراء کی ہے جن سے میں نے اکتساب فیض کیا۔''تعاقب میں خواب'' میری شاعری کا اولین مجموعہ ہے۔ہر انسان خوابوں کے تعاقب میں زندگی گزار دیتا ہے لیکن لکھاری کا معاملہ الگ ہوتا ہے اس کا تعاقب خواب کرتے ہیں۔

تعاقب میں ہے میرے، خواب، عنبر
پڑاؤ یہ کبھی کرنے نہ دیں گے

خوابوں کے تعاقب کی وجہ سے اضطراب مسلسل لکھاری کو سفر میں رکھتا ہے۔

فطرت سخن ور ہے اضطراب میں رہنا
جاگتے ہوئے جیسے دشت ِخواب میں رہنا

اور یہ سفر ہی لکھنے کا سفر ہے۔اسی احساس کو اقبال احساس نفس اور تعین ذات کا نام دیتے ہیں اور خودی کو اس کی بلند ترین سطح قرار دیتے ہیں۔ اثبات ذات فرد کا اصل مقصود ہے۔ جو اسے پا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔

آپ کی آراء کی منتظر
نادیہ عنبر لودھی
اسلام آباد۔ پاکستان
nadiaumberkhanlodhi@gmail.com
03215678089

خاکی

خاکی خاک سے اٹھا
خاک بُرد ہوا
درون ذات کا مخمصہ
کہاں پُر ہوا
حجرہِ طلب سے اٹھا
جستجوئے ِ سحر ہوا
مضطرب دل ہوا
رقصِ بسمل ہوا
یہ ناری اپنے تماشے کا خود منتظر ہوا
اُس تال کا عادی
اس دھمال میں کہاں گُم ہوا
منبر و محراب کا بھید مُلا سے نہ مل سکا
رومی و بایزید سے
منصور سے
یہ اخفا ہوا

حضرت انسان تو ہے صحیفہ عشق کا

جدا ہے ہر رنگ سے

رنگ اس یار کا

صورت گر ہے جو تیرا میرا

ہم فانی انسانوں کا

ہماری بھید بھری روحوں کا

میں ہوں خاکی

الست اور بلی میری پہچان

میں ہوں موجود ملائک

میں خاک سے بنی انسان

میں خاک سے بنی انسان

نعت

زندگی کو روشنی تو تیرے آنے سے ملی
معرفت ہم کو رسالت کے خزانے سے ملی

بے کسی میں آپ ہی غم خوار ہیں یا مصطفےٰ
اور شفاعت آپ ہی کے رحم کھانے سے ملی

کب غزل کی زر نگاری سے سرور آیا مجھے
سر خوشی جو مجھ کو طیبہ کے خزانے سے ملی

ایک پل بھی چین میرے دل کو دنیا میں نہ تھا
راحت ِجاں آپ ہی کے آستانے سے ملی

ہے یہ بھی تو معجزہ عنبر مری سرکار کا
گُل ہدایت دہر کو ان کے زمانے سے ملی

رباعی

آقا ہو کہ وہ ذات بہم ہیں دونوں
پیاسوں کے واسطے حرم ہیں دونوں
ہے روشنی عالم میں ان ہی سے قائم
اک دشت ہے اور ابر کرم ہیں دونوں

غزل

کہیں تو رقص ِ بسمل کوئی دیوانہ دکھائی دے
دو عالم میں مجھے پھر حسن ِ جانانہ دکھائی دے

تجلی حسن ِیُو سُف کی سمجھنا دیکھ لی میں نے
اگر مجھ میں بھی خُو کوئی زلیخانہ دکھائی دے

اُسے حاصل ہوئی ہیں شہرتیں ایسی محبت میں
حقیقت ہوکے بھی وہ شخص افسانہ دکھائی دے

غریبی میں بھی انکے ٹھاٹ ہوتے ہیں امیروں کے
فقیروں کا ہر اک انداز شاہانہ دکھائی دے

کبھی تم وصل کا جو گوشوارہ کھول کر دیکھو
بچت کا ہجر سے شاید کوئی خانہ دکھائی دے

وہ عنبر اجنبیت سے اگر میری طرف دیکھے
تو میرا اپنا سایہ مجھ کو بیگانہ دکھائی دے

غزل

بغض اعدا خوئے احباب سے کم واقف ہے
جو مرے حلقہ ارباب سے کم واقف ہے

سطوت ِقصر شہی دھوکے میں رکھتا ہے کہ جو
عظمت ِ گنبد و محراب سے کم واقف ہے

عشق کی چاہیے تعلیم ابھی اور اسے
جو محبت ادب آداب سے کم واقف ہے

زیست کرنے کو بہت چشم فسوں کار مجھے
تُو مرے عشق کے زرتاب سے کم واقف ہے

معنوی طور پر اس پر میں مکمل نہ کھلی
وہ مری ذات کے اعراب سے کم واقف ہے

تجھ پہ میں کھولوں گی اک دن سبھی اوراق جمال
تو ابھی حسن کے ابواب سے کم واقف ہے

کیا بنے گا جو نہ ٹل پائی بلائے فرقت
ہجر تو وصل کے اسباب سے کم واقف ہے

ایک ہی شخص کا کرتی ہے ادب دھڑکن بھی
دل،اے،دنیا ترے آداب سے کم واقف ہے

اتنا پوشیدہ اسے رکھا ہے عنبؔر سب سے
آنکھ میری بھی مرے خواب سے کم واقف ہے

غزل

مشقت بک گئی ہے درہم و دینار کے آگے
کہ یہ اک جنسِ ارزاں تھی مرے زردار کے آگے

وہ انساں ہی تھے اپنی جان کی بازی لگاتے تھے
مزاحم کتنے ہیں اب وقت کی یلغار کے آگے

خموشی ڈوب جائے گی مظالم کے سمندر میں
یہ خلقت ڈٹ گئی اک دن اگر سرکار کے آگے

فروزاں ہے ہر اک لذت سے لطفِ وصل کی ساعت
کہ ساقی خود سُبو لائے شبِ بے دار کے آگے

تجسس کی نظر سے دیکھتا ہے وقت بھی مجھ کو
میں کُھلتی ہی نہیں اس صاحبِ اسرار کے آگے

تری تو خوش گلُوئی تھی کہ جاں تو میری ہے عنبر
کوئی مجھ کو نہیں بھاتا تھا اس چہکار کے آگے

شاعروں کی دنیا

شاعروں کی دنیا
عشق کے ماروں کی دنیا جنُوں میں ہاروں کی دنیا
میر و غالب کی دنیا
یہ گروہ عاشقاں
یہ مہ خواروں کی دنیا
شامل دنیا ہو نہ سکی کبھی
اپنی تشنگی میں ڈوبی
اپنی پیاس میں تڑپی، سسکی
اضطراب کو مٹاتی ہوئی
کسی ویران راہ گزر کی مانند بل کھاتی ہوئی
کسی کوہ سفید سے اترتی شفاف ندی کی طرح آتی ہوئی

دنیا کا حصہ ہو کر بھی
دنیا میں حل نہ ہو سکی
رات کا کاجل نہ ہو سکی
اس ہجوم ریختہ کا
ایک گم نام حصہ ہم بھی ہیں
اکسویں صدی میں اجداد کی روایت کا قصہ
ہم بھی ہیں

غزل

زمیں لپیٹتا ہے آسماں سمیٹتا ہے
کہاں کی بات کو یہ دل کہاں سمیٹتا ہے

حسین رفعتیں تقسیم کرتا ہے اب بھی
یزید آج بھی رسوائیاں سمیٹتا ہے

وہیں پہ گردشیں رک سکتی ہیں زمانے کی
وہ جست بھرتا ہے اور پر جہاں سمیٹتا ہے

اسے بتاؤ کہ تم جب کہیں بھی ٹوٹتے ہو
تمہاری کرچیاں کوئی یہاں سمیٹتا ہے

کسی میں نادؔیہ جز عشق اتنا ظرف کہاں
ہے کون بکھرے دل کو جو یاں سمیٹتا ہے

قائد کا پاکستان

کیا یہ قائد کا پاکستان ہے
کیا یہ قائد کا پاکستان ہے
چہرہ اس کا ہجرتوں سے آٹا ہے
لبادۂ تن بھی بوسیدہ ہے
شہیدوں کا لُہو بکتا ہے یہاں
کھوٹا سکہ چلتا ہے یہاں
عجب ہے یہ کاروانِ بد گمان
بے سمت ہے یہ کاروانِ بے نشان
یہ زمین سوتیلی تو نہیں ہے
پھر کیوں دی رہی ہے خراج مسلسل
قصر میں بیٹھے خون آشام درندے
کس دین کے پیروکار ہیں
جو ایمان کے بدلے لیتے ہیں متاعِ دنیا
یہ وہی ہیں
جو بجھا چکے تیری آنکھوں کا نور

جو کھا چکے تیری زرخیزی کا خزینہ
یہ جو بیتے وقت کی رائیگانی ہے
آج بھی یہ ہی کہانی ہے
تیری آنکھوں میں
ادھورے خواب ڈالنے کی
نیلگوں نیلاب ہاتھوں سے
تیری جڑوں میں زہراب ڈالنے کی
یہ منکرانِ وفا کا کارواں ہے
اس کا انت جالب کا مصرعہ ہے
قائد کا درسِ وفا اس نے بھلا دیا ہے
تیری میری زمین کی بقا کا
اس اجتماعی بے حسی کی فضا کا
اگر کوئی نسخہ کیمیا ہے
تو وہ قائد کا پیام وفا ہے
قائد کا پیام وفا ہے

غزل

دیواروں پر کیا لکھا ہے
شہر کا شہر ہی سوچ رہا ہے

درد کی اپنی ہی شکلیں ہیں
غم کا اپنا ہی چہرہ ہے

عشق کہانی بس اتنی ہے
قیس کی آنکھوں میں صحرا ہے

کوزہ گر نے مٹی گوندھی
چاک پہ کوئی اور دھرا ہے

عنبر تیرے خواب ادھورے
تعبیروں کا بس دھوکہ ہے

اداسی

ملگجے اندھیرے میں
کمرے کے ایک کونے میں چھپی ہوئی اداسی
آہستہ آہستہ کتر رہی ہے
اپنے تیز نوکیلے
چھوٹے چھوٹے دانتوں سے
کمرے کی کشائش
اس کے دانتوں تلے کٹتی جارہی ہے
دل کی آسودگی
کمرے کی جامد فضا میں
بڑھتی جارہی ہے اداسی
یہ پیٹ بھر کر
دبک کر سوتی نہیں
اپنے دانتوں میں خوشہ لیے یہ چل پڑتی ہے

ہم نفس کو پہنچانے سندیسہ اداسی کا
عندیہ اداسی کا
قطار میں چلتے چلتے
خالی صحن کے درمیان میں استادہ
برگد کے بوڑھے پیڑ کی کھوکھلی جڑوں کی درزوں میں
یہ چھپاتی ہے اپنا اثاثہ
بھرتی رہتی ہے
اداسی کا خزانہ
خاموش پیڑ سے لٹکا خالی جھولا
راہ تکتا رہتا ہے
بچھڑے ہوؤں کی
اداسی کا بہاؤ تھمتا نہیں
یہ تو اک راگ بن کر ماتمی فضا میں بجنے لگتا ہے

غزل

عشق کی کوئی تفسیر تھی ہی نہیں
واسطے میرے تقدیر تھی ہی نہیں

تیرے درشن کو آنکھیں ترستی رہی
خانہ دل میں تصویر تھی ہی نہیں

کس لئے ہو کے مجبور تم آئے ہو
بیچ دونوں کے زنجیر تھی ہی نہیں

عالم رنگ و بُو کو سجایا گیا
اس تماشے میں تقصیر تھی ہی نہیں

اس کو عنبر رلایا گیا تھا یونہی
رانجھے کے واسطے ہیر تھی ہی نہیں

پہلا قطرہ

میں ہوں بارش کا پہلا قطرہ پیاسی زمین پر
اپنے اجداد کی روایات کے برعکس
اک آوازِ جُنون
دل کی زمین پر
پانی ہمیشہ اپنا راستہ خود بناتا ہے
قطرہ قطرہ رس رہا ہو
یا آبشار کی صورت گر رہا ہو
میں نے بھی بنایا ہے
بنجر سوکھی ہوئی زمین پر
اپنا راستہ
آہستہ آہستہ
قطرہ قطرہ

غزل

آنکھوں کو اک خواب دکھایا جا سکتا ہے
قصہ یوسف کا دہرایا جا سکتا ہے

ساری دنیا کو ٹھکرایا جا سکتا ہے
حسن و عشق دعا سے پایا جا سکتا ہے

جو مجھ میں ہو زلیخا تجھ میں یوسف کوئی
عمروں کا سرمایہ لایا جا سکتا ہے

اس کو کہنا میری آنکھوں کے کاسے میں
دید کا اک سکہ تو دکھایا جا سکتا ہے

ناداں اتنا مت سمجھو تم دل کو عنبؔر
کب یادوں سے اسے بہلایا جا سکتا ہے

رات

لُطفِ وصل کی شیرنی
شبِ وصل میں لپٹی ہوئی
دو دلوں کو بہم کر رہی ہے
دو قالب یک جان کر رہی ہے
رات کے اس پہر
مختلف منظر ناموں سے بستی بھری ہوئی ہے
کھڑکی سے آسمان کو تکتے
کسی عاشق بے نیل مرام کی نظر
سوچ میں غلطاں ہے
مژگاں تلے خواب چھپائے کوئی آنکھ سونے کی تیاری میں ہے
کسے قلمکار کے ہاتھوں لفظوں کی فصل

قرطاس کے کھیتوں میں کاشت ہونے والی ہے
اسباب باندھتا مسافر
منزل کی طرف روانہ ہونے والا ہے
کوئی طالب علم مستقبل کے سنہرے خواب
آنکھوں میں سجائے
کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھا ہے
کوئی ماں شیر خوار بچوں کو
تھپکتی اور سلاتی ہوئی اونگھ رہی ہے
کوئی بوڑھی آنکھ
ماضی میں دبی چنگاریاں کرید رہی ہے
کوئی بیمار رات بھر کے
درد کی اذیت چننے کے لیے خود کو تیار کر رہا ہے
کہیں کوئی بجھا ہوا دل
تنہائی کا لبادہ اوڑھے
تشنگی وجود سمیٹے ہوئے

آرزوِ جاں دل سے لپیٹے
اپنے صحرا وجود کو
تھپک تھپک کر سلا رہا ہے
مذہب کا فیصلہ جذبات پر حاوی رہے گا
طے یہ ہوا ہے

گیسٹ ہاؤس

پتھریلے پہاڑی راستے پر
ہوا کے ساتھ رقصاں
لہراتے، جھومتے پتے اور ڈالیاں دکھائی دیتے ہیں
تازہ ہوا کا مزہ انکے نصیب میں لکھ دیا گیا ہے
اسی راستے پر پُرشکوہ گیسٹ ہاؤس کی عمارت
پوری شان وشوکت سے استادہ ہے
بیرونی دیواروں کی بنیادوں میں
چھوٹے بڑے پتھر ایک خاص ترتیب سے لگے ہیں۔
یہ مضبوطی کا نشان بن کر جڑے ہیں
بیرونی دیوار میں نصب لکڑی کا گیٹ
آنے جانے والوں کے آمدورفت سے چرچراتا ہے

ہاتھوں کے دباؤ سے کھلتا ہے
اور خود بخود بند ہو جاتا ہے
حبس زدہ شہروں کے باسی
تازہ ہوا پاکیزہ دھوپ کے لیے یہاں کا رخ کرتے ہیں
انکے پھیپھڑے یہ مسحور کن خوشبو جذب کرتے ہیں۔
مسافر یہاں قیام کرتے ہیں
آرام گاہ سے دالان تک
قدموں کے نشان دن بھر مٹتے اور بنتے رہتے ہیں
کھڑکیاں مسکرا کر آنے والوں کا استقبال کرتی ہیں
اونچی چھتیں اپنا سایہ اور چھتری تانے رکھتی ہیں
ریسٹ ہاؤس کے مستعد ویٹر
کرخت چہرے خیر مقدمی مسکراہٹ سجائے متحرک نظر آتے ہیں
یہ لپک جھپک میں آسائشات بہم پہنچاتے ہیں
ان کے پھرتیلے وجود یہاں وہاں چشمِ زدن میں پہنچ جاتے ہیں
پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے

روح اور جسم کا رشتہ نبھانے کے لیے
یہ یہاں آنے جانے والوں کو
تن آسان لوگوں کو
خوش آمدید کہتے ہیں

غزل

مٹا دیا ہے جہاں اس نے داستاں سے مجھے
نئی کہانی میں لکھے گا پھر وہاں سے مجھے

میں اس زمانے کو مُڑ کر بھی تکنے والی نہیں
پکارتا رہے لکنت زدہ زباں سے مجھے

میں بے نیاز ہوں اس واسطے بھی دنیا سے
کہ کچھ امید بھلے کی نہیں جہاں سے مجھے

قفس کا در جو کھلے بھی، میں اُڑنے والی نہیں
کرے گا وہ کبھی آزاد اس گماں سے مجھے

وہاں وہاں پہ دمکتے تھے وصل کے جگنو
وہ دیکھتا تھا جنوں میں جہاں جہاں سے مجھے

زمینِ دل ہی تو مانگی تھی، کب یہ چاہا تھا
ستارے توڑ کے لا دے وہ آسماں سے مجھے

سہیلیوں سے میں یہ جھوٹ کب تلک بولُوں
عزیز رکھتا ہے،عنبر، وہ اپنی جاں سے مجھے

ایک عورت

کتنے حصوں میں
منقسم ہے
ایک عورت
ماضی سے لپٹی
حال سے جڑی
حمل کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھکی عورت
دھتکار سہتی
ٹوٹی ہوئی عورت
حنوط شدہ آرزوؤں کے مقبرے میں
لیٹی ہوئی خاموش عورت
قربانی کی مصلوب گاہ پر بیٹھی عورت

گنگھرو باندھے کسی آدم زاد کا دل بہلاتی عورت

کھیت کھلیان میں

معاش کا بوجھ اٹھاتی عورت

قلم و قرطاس کے سحر سے لفظ بُنتی عورت

محبت کے کچے رنگوں سے

چُنری رنگتی عورت

بے کسی کے در پر پڑی

ضعیف عورت

دردِ زہ سے تڑپتی عورت

سسکتی عورت

حکم کی باندی

نکاحی عورت

کیا ہو رنگ جہان

جو نہ ہو یہ عورت

غزل

تُو تو کرشمہ ساز ہے کوئی کمال کر
اک دل بنادے اپنے ہی سانچے میں ڈھال کر

ترتیب دھڑکنوں کی کسی شب اجال کر
فرقت سے پُر ہیں ساعتیں تُو پُر وصال کر

آنکھوں میں جھلملائیں گے یہ خواب کب تلک
تعبیر کے بھی روشن ابھی خدوخال کر

قائل ہے وہ تو عشق میں بھی احتیاط کا
دیکھے گا میری سمت مگر دیکھ بھال کر

ہوں احترام عشق میں عنبر حضور یار
کرتی ہوں لب کشائی زباں کو سنبھال کر

ماضی

میں پرانے رستے پر پلٹ کر نہیں جایا کرتی
جانے پہچانے رستے پر جانے سے
پُرانے زخم کُھل سے جاتے ہیں
روح میں چھپے ہوئے درد بھی چِھڑ سے جاتے ہیں
سو میں پلٹ کر نہیں جاتی
دھری ہوتی ہیں اداسیاں
رکھی ہوتی ہیں آہٹیں جا بجا
خشک پتوں پر
کہیں قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے
کہیں رات کی رانی اداس دکھائی دیتی ہے
کوئی محبت کا ساز بجاتا نظر آتا ہے

کسی کی آنکھوں میں وارفتگی کا لمحہ جگمگاتا ہے

نرم و نازک کلیاں چُنتی

اک لڑکی دکھائی دیتی ہے

جس کی آنکھیں جگنوؤں سی چمکتی ہیں

خوش گمانی کے پھول

جس کے چاروں طرف کِھلے ہیں

جس کے عارض حیا کی لالی سے سرخ ہوئے ہیں

اس رستے پر تھوڑا سا آگے جا کر

منظر بدل جاتا ہے

نارسائی کا ناگ ڈس لیتا ہے

کوئی وعدے کی زنجیر سے باندھ کر جاتا ہے

تو پلٹتا نہیں

ان پھولوں کو

اُس لڑکی کو

خواب بنتی اُن آنکھوں کو

کوئی انتظار سونپ جاتا ہے

جانے پہچانے رستوں پر

بار بار جانے سے

اداسی ہی ملتی ہے

بیتے ماضی سے لپٹی ویرانی سسکتی ہے

میں جانے پہچانے رستے پر پلٹ کر نہیں جایا کرتی

غزل

اجنبی ہم سفر نہیں ہوتے
خواہشوں کے بھی پر نہیں ہوتے

دل کی آواز بنتے ہیں احساس
لفظ جب بے اثر نہیں ہوتے

دور تک کیسے ساتھ جاؤ گے
رہ نما سب خضر نہیں ہوتے

رُت خزاں کی ہے زرد بے رنگی
بار آور شجر نہیں ہوتے

سُرمئی ڈھلتی شاموں میں اکثر
لفظ بھی معتبر نہیں ہوتے

ہست بھی نیست کا سفر عنبر
چلنے والے مگر نہیں ہوتے

گناہ

زانیوں کے پاس نئی نئی دلیلیں ہیں
نئے نئے الفاظ ہیں
بے شمار جواز ہیں
بدلتے وقت کی
نبض پر ہاتھ رکھ کر
یہ نئے قصے سناتے ہیں
سوچ کے جدید زاویے تراشتے ہیں
اضطراب کا ایک ہی حل سوچتے ہیں
بدبُو دار لمحات کو
بستر کی سلوٹوں میں
سوئے ہوئے پوشیدہ تجربات کو
شراب کی بو میں گھول لیتے ہیں

پھر اس لمحے سچ بول لیتے ہیں
گزرے ہوئے لذت آشنا تجربات کا بھید
بھی کھول دیتے ہیں
کسی نئے بدن کی
خوشبو میں گُم
میقاس الشباب سے
پُر کیف لمحات سے
شراب کے جام سے ناف تک
رستہ ڈھونڈ لیتے ہیں
دلدل میں اترتے قدموں کے واسطے
کوئی جواز بھی سوچ لیتے ہیں
حوا کے بیٹے
بنتِ حوا سے کھیل لیتے ہیں

غزل

وہ گھر تنکوں سے بنوایا گیا ہے
وہاں ہر خواب دفنایا گیا ہے

مری الفت کو کیا سمجھے گا کوئی
سبق نفرت کا دہرایا گیا ہے

مرے اندر کا چہرہ مختلف ہے
بدن پر اور کچھ پایا گیا ہے

ہوئی ہے زندگی افتاد ایسے
ہوس میں ہر مزا پایا گیا ہے

کہی ایسی ہے عنبر اس کی ہر بات
شکستہ دل کو تڑپایا گیا ہے

شاعر

درد سہتے ہیں

درد کہتے ہیں

لفظوں سے رنگولی سجا کر

خوابوں سے رنگ بھرتے ہیں

قطرہ قطرہ موتی چنتے ہیں

اشکوں سے جام بھرتے ہیں

ہم شاعر ہیں

آگ لگاتے ہیں

جب آہ بھرتے ہیں

ہم جلاتے ہیں دیے

تو کارواں چلتے ہیں

ہم دیکھتے ہیں خواب

تو وطن بنتے ہیں

ہم نعرہ حق لگاتے ہیں

آمر لرزتے ہیں

ہم شاعر ہیں

ہم وطن کے ترانے لکھتے ہیں

سینوں میں جذبے پلتے ہیں

ہم خاک کو سونا کہہ دیں

تو کندن بنتے ہیں

ہم شاعر ہیں

ہم آسماں سے تارے توڑتے ہیں

ٹوٹا ہوا دل جوڑتے ہیں

ہم حسن کے قصیدہ خواں ہیں

ہم فطرت کے نگہباں ہیں

ہم ہر رنگ میں نمایاں ہیں

ہم شاعر ہیں

ہم شہیدوں کے نوحہ خواں ہیں
ہم جام میں ڈبوتے ہیں بے خودی
تو زندگی چلتی ہے
ہم لاتے ہیں عشق کی سرمستی
تو قوم بنتی ہے
ہم شاعر ہوتے ہیں
من چلے دیوانے نہیں ہیں ہم
نایاب ہیں
خود سے بیگانے نہیں ہیں ہم
ہم شاعر ہیں
ہم شاعر ہیں

غزل

خاص کو عام کردیا میں نے
اس کو بے نام کردیا میں نے

میں پلٹ کر نہ دیکھ پائی اسے
خود کو ناکام کردیا میں نے

جب ہوا غم سے پیار اسکے بغیر
خواب نیلام کردیا میں نے

جو یقیں تم نے مجھ جو بخشا تھا
وقف اوہام کردیا میں نے

اب نہ فصلی پرند پھڑکے گا
اس کو تہہ دام کردیا میں نے

خون کا اثر

سب فرضی باتیں ہیں
قصے کہانیاں ہیں
خون کا اثر تربیت سے زیادہ ہوتا ہے
یہ طے شدہ نتیجہ ہے
تربیت مات نہیں دے سکتی فطرت کو
نہیں بدل سکتی
شفقت خون کے اثر کو
نیک نیتی سے کی گئی نیکیاں کبھی کبھی آزمائش بن جاتی ہے
خود کو مسلمان کہتے ہو
تو راضی برضا کیوں نہیں ہوتے
قرآن پڑھتے ہو
پھر بھی رب کے فیصلے سے ٹکراتے ہو
جو فرض تم کو نہیں سونپا گیا

اس کا بار اٹھاتے ہو
اپنی ناقص عقل
عقلِ کُل سے
صلیبِ مقدر سے
ٹکراتے ہو
لے پالک بچے تمہاری ولدیت کے ساجھی نہیں بن سکتے
انہیں یتیم خانوں میں رہنے دو
یہ انسان ہیں
انسانوں کے گناہ کا حصہ نہیں ہیں
مت توڑو ان کے ننھے دل
انکے کمزور بدن کھلونا نہیں ہیں
ناجائز بچے معاشرہ جائز نہیں کرتا
ان کو انکی دنیا میں رہنے دو
بے خبری کی رو میں بہنے دو

شعر

عنبر اُس کے بیتے کل کا قصہ ہوں میں
پھر کاہے کا شوق کہ اسکو یاد بھی ہوں میں

آکٹوپس

مذہب کا آکٹوپس
آہنی گرفت میں میں لے لیتا ہے فرد کو
اس کے بازو پھیل جاتے ہیں
ہر مسام ہر عضو تک
یہ پکڑ لیتا ہے جکڑ لیتا ہے
عفریت بن کر نگل لیتا ہے
ہر ہر سانس کو
جذبات کے ریشمی تھان مسل کر رکھ دیتا ہے
سِل رکھ دیتا ہے نازک دل پر
جو مچلے شکار اس کا
مزید سخت ہو جاتی ہے اس کی گرفت
ذرا سی کشادگی بھی نہیں بھاتی اس کو

عشق و محبت کی سادگی نہیں پسند آتی اس کو

اس کی قینچی ہر وقت برسنے کو تیار رہے

جذبات کے کھیل میں فرد کا احساس

کیوں ہے قابل ِ اعتراض

غزل

کوئی اندیشہ واہمہ ہے
پھر لہجے کی تھکن کیا ہے

دل چاہے تو روٹھ سکتے ہو تم
انکار کا مجھ میں حوصلہ ہے

عہد و پیماں کا سلسلہ تو
لفظوں کی حدوں سے ماورا ہے

آنکھوں میں چراغ جل رہا ہے
دل موسم گُل کا آئینہ ہے

یہ　　سمجھوتہ　　نہیں　　ہے　　عنبر
خوابوں　　کا　　حسیں　　سلسلہ　　ہے

مشرقی عورت

ماں ہوں میں
شریکِ تخلیق ہوں
آدم کی نسل کی امین ہوں
پھر کیوں قابل تحقیر ہوں
الفاظ کی جیت ہوں
الفاظ کی ہار ہوں
بے زبان کنیز ہوں
جرمِ وفا کی پاداش میں چُنی ہوئی دیوار میں ہوں
وہی ازلی مجبوریاں
وہی دائمی زنجیریں
لفظوں کے انبار بھی لگا لوں تو کیا
سینے پر تمغے بھی سجا لوں کیا

رہونگی ٹھوکروں میں پڑی ہوئی
ہر لمحہ میں ستائی گئی ہوں
سمجھوتہ ہے ہی مقدر میرا
عورت جو بنائی گئی ہوں

مشرقی مرد

مذہب کے نام پر
عورت کو اپنا تو لیتے ہو
پھر ہر لمحہ جینے کی سزا دیتے ہو
بزعمِ مردانگی عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہو
خواندہ، ناخواندہ، تہی دست، صاحب ثروت
عورت کے معاملے میں
سب ایک جیسے بن جاتے ہو
خدا کے احکامات روند کر
مجازی خدا کہلاتے ہو
حاکمیت کا نصاب پڑھ کر
اختیارات کا استعمال کر کے
دربدری کا عذاب دیتے ہو
گھمنڈ میں جیتے ہو

گھمنڈ میں مرتے ہو

تو خدا نہیں ہو

سن لیا تم خدا نہیں ہو

غزل

گرداب کنارا اور دریا
پھر ساتھ تمہارا اور دریا

آباد کنارے آنکھوں کے
یہ آنسو کھارا اور دریا

ان جھیل سی آنکھوں میں ڈوبے
وہ خواب ہمارا اور دریا

کس کی مٹھی میں بند ملا
اک جگنو تارا اور دریا

موجوں سے لڑتا کچا گھڑا
قسمت کا مارا اور دریا

دونوں شب ہجر کے مارے ہوئے
وحشت کا دھارا اور دریا

کسی موج ِفنا میں ڈوب گئے
وہ بخت کا مارا اور دریا

عنبر کا ساتھ کہاں دے پائے
شب کا نظارہ اور دریا

خواب

دالان میں لگے پول سے بندھی رسیوں پر
ہمارے خواب ٹنگے ہوئے ہیں

تیز ہوا سے جھولتی ہوئی رسیاں
اور رسیوں پر لٹکے ہوئے خواب

خشک کپڑوں کی مانند اڑنے گرنے
لگتے ہیں

ادھر اُدھر یہاں وہاں
بکھرے ہوئے خواب

تقدیر کے بھاری قدموں تلے
کچلے جاتے ہیں

چڑمڑ کی آواز میں
سسکیوں کی آواز شامل ہو کر

ہوا کے تیز شور میں دب جاتی ہے
اور ہمارے خوابوں کی بےوقعتی مزید بڑھ جاتی
ہے

غزل

راستہ نکلے گا محبت میں
تو جلا دے دیا محبت میں

شاعرانہ مزاج ہے اس کا
اس کو غزلیں سنا محبت میں

پیار میں اُس نے پھول بھیجا تھا
میں نے خط لکھ دیا محبت میں

عشق کس نے کیا زلیخا سا
کون ہے پارسا محبت میں

کب سے میں بھی تو بیٹھی ہوں خود کو
کر کے آراستہ محبت میں

دودھ کے نہر تک نکالے گا
تیشۂ باوفا محبت میں

کس طرح جانے لوگ کرتے ہیں
کوئی شکوہ گلہ محبت میں

گنگناتی ہے پیار کے نغمے
امن کی فاختہ محبت میں

عشق میں تو زلیخا ہو کہ نہ ہو
نادیہ بن کر آ محبت میں

غزل

ہم کو آغاز ِسفر مارتا ہے
مرتا کوئی نہیں ڈر مارتا ہے

تری قربت نہیں مجھ سے نہ سہی
مجھ کو تو حسن نظر مارتا ہے

زندگی ہے مری مشکل میں پڑی
عشق بے کار میں سر مارتا ہے

زندگی اس کی ہے محتاج مگر
دے بھی سکتا ہے مگر مارتا ہے

اک ہنسی گونجتی ہے گھر میں مرے
مجھ کو یادوں کا سحر مارتا ہے

خواب اتنے کہ دہائی عنبر
ان کا پھر زیر و زبر مارتا ہے

فنکار

ہونٹوں تلے سگریٹ دبا کے
غم کو دھویں کو
مرغولوں میں اڑا کے
اپنی ذات کے بکھرے ٹکڑے سمیٹ کر
یکجا کرے گا
اسی رستے پر پھر چلے گا

آگہی

آ گہی نہ ہوتی
تو زندگی خواب ہوتی
تیرے حسین چہرے جیسی شاداب ہوتی

حبس

تُو کیا جانے
قفس کا حبس
تُو تو مسافر تھا

عید

بہت سارے پتھریلے

دنوں جیسا

ایک دن

عورت

بے گھر

بے خانماں

عورت ہے یا تماشا

غزل

اسے زیست میں نہ ہارا ہوتا
پاس قسمت کا جو تارا ہوتا

ہم بھی منزل سے شناسا ہوتا
وہ سفینہ جو ہمارا ہوتا

اپنے موقف سے نہ پیچھے ہٹتے
اس سے ملنا جو دوبارہ ہوتا

کیا تھا اس کو بھی وفا کرلیتا
دل نے جب اس کو پکارا ہوتا

ہم دیا تھام کے تنہا لڑتے

گر ہواؤں کا اشارہ ہوتا

خوش دامن

خوش دامن کے دامن سے
گر وابستہ ہو خوشیاں
کیوں اٹھائیں
نوکیلے لفظوں کی ذلت
مجبور سماعتیں
گُنگ زبانیں
آگ میں جل کر کبھی نہ مریں
پرائی بیٹیاں

امید

تم ٹھہرو
تم ٹھہرو ذرا میں آتی ہوں
سورج سے نُور کی کرنیں لے کر
کسی معصوم طفل کے لبوں سے ہنسی لے کر
خوشبو بھرے جنگل سے تتلیاں پکڑ کر لاتی ہوں
تم ٹھہرو ذرا میں آتی ہوں
شام کے ڈھلتے منظر نامے سے
چند جگنو پکڑ نے
میں تو ہمیشہ تنہا ہی جاتی ہوں
رات آئے تو مت ڈرنا
ستاروں سے راستے پوچھ کر تم کو بتاتی ہوں
تمہاری خواب بھری

ان آنکھوں کے واسطے نیند بھی لاتی ہوں
تم ٹھہرو ذرا میں آتی ہوں
میں آتی ہوں

غزل

بعد اس کے نہ مسکرایا چاند
یوں گگن پر ہوا بے مایہ چاند

تری فرقت میں تھا رفیق مرا
مری تنہائیوں میں آیا چاند

چاندنی شہرِ جاں تلک پھیلی
دشتِ دل میں جو میں نے پایا چاند

کہکشاں میری خاک سے روشن
میری مٹی سے جگمگایا چاند

زخم اپنوں نے اس کو بخشے ہیں
کچھ ستاروں کا ہے ستایا چاند
شمع مصروفیت کی گُل کر کے
ہم نے اک یاد کا جلایا چاند

اک ستارہ سخن کی غزلیں تو
مصرعہ در مصرعہ گنگنایا چاند

انگلیاں سب نے اپنی کاٹ لی
جب زلیخا نے اک دکھایا چاند

لوگ وہ کاش قدر کرتے جنہیں
مل گیا تھا بنا بنایا چاند

درد فرقت سے پھیلی گلیوں میں
کالے کپڑے پہن کر آیا چاند

اپنا عنبر چراغ کافی ہے
کیا کروں میں بھلا پرایا چاند

غزل

دل کو منانا پڑتا ہے
بار اٹھانا پڑتا ہے

کس کی گزرتی ہے تنہا
میلہ لگانا پڑتا ہے

تم تو محل کے راجا ہو
مجھ کو آنا پڑتا ہے

آس کا جگنو پانے کو
خواب سجانا پڑتا ہے

جینے کی خاطر عنبر
دھوکہ کھانا پڑتا ہے

غزل

درد اور غم کے مارے نکلے رات ، سفر، صحرا اور میں
ایک ہی جنگ کے ہارے نکلے رات، سفر، صحرا اور میں

دکھ کی چادر تان کے ہم نے ہجر کی رات گزاری تھی
آنسو، جگنو ، تارے نکلے رات، سفر، صحرا اور میں

غرق ہوئے پھر موجِ فنا میں اک اک کر کے سب کے
سب
دیکھو! فانی سارے نکلے رات، سفر، صحرا اور میں

ہم نے جس کی بنیادوں میں سانس کا جذبہ ڈالا تھا
مٹی، ریت اور گارے نکلے رات ،سفر، صحرا اور میں

میں نے سوچا تھا عنبر یہ قسمت میری بدلیں گے
مجھ سے بچھڑ کے یہ سارے نکلے رات، سفر، صحرا اور میں

غزل

صاحب ہماری پریم کہانی کہاں گئی
راجا کدھر گیا ہے وہ رانی کہاں گئی

یوں تو سنبھالی اس کے میں نے سب نشانیاں
وہ مسکراتی شام سہانی کہاں گئی

شیریں زبان یوں کے وہ نغمے نہیں رہے
لطف و کرم، وہ شوخ بیانی کہاں گئی

آئینہ دیکھا آج تو یہ سوچتی رہی
مجھ سے بچھڑ کے میری جوانی کہاں گئی

جس نے کبھی اسیر کیا نادیہ کبھی مجھے
اس کی وہ جانے چرب زبانی کہاں گئی

باندیاں

میرے مالک
کیا ہم باندیاں ہیں
جو آگ میں جلا کر مار دی جائیں
ہم وہ جوانیاں ہیں
محبت کے نام پر جو مسل دی جائیں
ہم وہ کلیاں ہیں
ہوس کا نشانہ بنا کر
جن کے پر نوچ لئے جائیں
ہم وہ تتلیاں ہیں
جو مصلحت کے نام پر
قربان کر دی جائیں ہم وہ بیٹیاں ہیں
جو وراثت سے محروم کر دی جائیں
ہم وہ بہنیں ہیں

میرے مالک

کیوں ہم باندیاں ہیں

بابِ اختیار سے اذنِ سفر ہم کو بھی دے

پرواز کے لیے وسیع گگن ہم کو بھی دے

باندھ ہمارے قدموں سے کوئی منزل

اتباع کرنے والوں کا کوئی

لشکر ہم کو بھی دے

مرے مالک

آخر کب تک

ہم باندیاں ہیں!

غزل

کیوں میں بار دگر جاؤں
پھر سے اس کے در جاؤں

تجھ آنکھوں سے جہاں دیکھوں
بے رنگی سے ڈر جاؤں

تو چاہے تو جینے لگوں
تُو چاہے تو مر جاؤں

میں بے انت سمندر ہوں
کیسے ندی میں اتر جاؤں

چادر ِشب ہوں میں تیری
تُو اوڑھے تو سنور جاؤں

خواب نہ دیکھوں تو عنبر
تو شاید میں مر جاؤں

غزل

سیم و زر کی کوئی تنویر نہیں چاہتی میں
کسی شہزادی سی تقدیر نہیں چاہتی میں

مکتب عشق سے وابستہ ہوں کافی ہے مجھے
دادِ غالب، سندِ میر نہیں چاہتی میں

فیض یابی تری الفت سے ہی ملتی ہے مجھے
کب ترے عشق کی تاثیر نہیں چاہتی میں

قید اب وصل کے زنداں میں تُو کرلے مجھ کو
یہ ترے ہجر کی زنجیر نہیں چاہتی میں

ایک دو روز کا مہمان ہے اس شہر میں وہ
اور اس عشق کی تشہیر نہیں چاہتی میں

مجھے اتنی بھی نہ سکھلا تو نشانہ بازی
تجھ پہ چل جائے مرا تیر نہیں چاہتی میں

اب تو آتا نہیں عنبر وہ کسی سپنے میں
اب کسی خواب کی تعبیر نہیں چاہتی میں

غزل

کس کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے
دور تک خواہش اُڑتی جاتی ہے

دل وہ میرا عجب بہانوں سے
توڑتی ہے کبھی بناتی ہے

جب بھی ہوتی ہوں گم کہانی میں
تیری تصویر ڈھونڈ لاتی ہے

دس محرم کو پیاس کربل کی
مجھ کو ہر بار ہی رلاُتی ہے

اپنی زرخیزیاں بڑھانے کو
گیلی مٹی مجھے بلاتی ہے

اپنی ہستی ہے نیستی عنبر
راکھ کر کے ہوا اُڑاتی ہے

غزل

مجھے خیال بھی آیا تو اختتام کے ساتھ
سفر تھا دل کا مرے یارِ خوش خرام کے ساتھ

چراغ درد کی لو میں، ہوائے شام کے ساتھ
جدا ہوا بھی وہ مجھ سے تو اہتمام کے ساتھ

درونِ خانہ مزاحم کئی بکھیڑے تھے
اسے بھی رکھنا پڑا یاد گھر کے کام کے ساتھ

مجھے نکالا گیا تھا کسی دفینے سے
مگر سجایا گیا کتنے اہتمام کے ساتھ

میں جان ہی نہ سکی کیا تھی زندگی کی طلب
یہ خواب ختم ہوا رنج ناتمام کے ساتھ

وہ تھا یقیں سے پہلے بھی ہر طرف قائم
وہی گماں کی حقیقت وہی دوام کے ساتھ

محبت

گئے وقتوں کی مانند
محبت کی تقدیر
اب بھی ناگہانی ہے

محبت

محبت کی سرحد پر
گناہ وثواب کے سب فلسفے
بے معنی ہیں

متشاعرات

مکار عورتیں
یہ تیز طرار عورتیں
عشوہ، ناز و ادا سے آشنا
طرح دار عورتیں
سخن کے رموز سے نا آشنا
بحر، عروض سے نا آشنا
شاعروں کا دل لبھاتی ہوئی
ادائیں دکھاتی ہوئی
کئی برسوں سے اردو ادب کے ماتھے پر بدنما داغ ہیں
یہ شاعرات کہلانے والی
متشاعرات ہیں

ہجرت

تم ہجرت کا کرب نہیں جانتے
تم نے ''انتظار حسین'' کے افسانے نہیں پڑھے
''ناصر کاظمی'' کے اشعار میں چھپے ہوئے نوحے نہیں سنے
جو پاکستان کو بنتے دیکھا ہوتا
گھروں کو جلتے دیکھا ہوتا
عصمتیں لٹتی
گردنیں کٹتی دیکھی ہوتی
زندگی بکھرتی دیکھی ہوتی
تو شاید تم ہجرت کا کرب جان لیتے
فاسٹ فوڈ کے شوقین
اپنے حال میں گُم

تمہارا کوئی مذہب کوئی نظریہ نہیں ہے
پیٹ کی بھوک سے جنسی آسودگی تک مطمئن
حیوانی جبلت وفطرت
اس ہجرت کے درد کو کیسے محسوس کر سکتی ہے

کمائی

تم اک لکھاری کی چاہت ہو جاناں
رہو گے میرے لفظوں میں دمکتے
مدام سانسوں میں مہکتے
میں درد لکھونگی
داد پاؤنگی
ہجر لکھونگی
کسک دلوں کی بڑھاونگی
تم اک لکھاری کی چاہت ہو جاناں
کبھی پھیکا نہیں پڑے گا
رنگ تمہاری محبت کا
ان رنگوں سے میں کہکشاں سجاونگی
میرے شعروں میں بولتا رہے گا
لفظ لفظ تمہاری محبت کا

تم اک لکھاری کی چاہت ہو جانا
کیسے کم پڑ سکتی ہے
محبت تمہاری
تم تجارت ہو غم کی سوداگر کی
اس درد کے تاجر کی
خواب بیچوں گی
نفع کماونگی
احساس لکھونگی
ٹوٹ ٹوٹ جاؤنگی
جذبات لکھونگی
رگ ِ جاں میں درد پاؤنگی
دل بیچ کر خریدا ہے
میں نے یہ مال
کیونکر پھر میں نقصان اٹھا سکتی ہوں

عورت

تم میری آواز دبا نہیں سکتے
میرے لکھے ہوئے الفاظ مٹا نہیں سکتے
نہیں رکھ سکتے
مجھے پابند سلاسل
تم میری آواز دبا نہیں سکو گے
ناخن شوق سے روزانہ کریدونگی
میں ایک نئی دیوار
طاقتِ پرواز سے مسخر کرونگی نئے جہان
پر کاٹ کر میرے
پنجرے میں قید نہیں کر سکتے تم
خواب نوچ کر میری آنکھیں

بے نور نہیں کر سکتے تم

عورت ہوں میں

صاحب عقل و فہم ہوں

بہتا ہوا پانی ہوں میں

ہر صدی کی کہانی ہوں میں

فردوس اعلی

کیا خوب ہے
تری سجائی ہوئی جنت میرے مولا
جہاں مردوں کے واسطے تو حوریں ہیں
مگر عورتوں کے لیے ہیں
مجازی خدا
ہم ہیں عورتیں
دھتکاری ہوئی
پیروں کی جوتیاں

قطعات

ق

تُو نے بھی تو آگ لگادی پانی میں
کیسے میں رُک جاؤں اس طغیانی میں
ہر اک دھڑکن پر ہے اس کا راج یہاں
قصہ کوئی تو ہے بات پرانی میں
کتنی سنجیدہ تھی اس کی نظر کی لو
کچھ تو سچ تھا تیری میری کہانی میں

ق

چاکِ ہستی رُفو کیا کرتے
بے وجہ جستجو کیا کرتے
خواب سی آرزو کیا کرتے
دل و مژگاں لہو کیا کرتے

ق

دل جلے راکھ اڑا دیتا ہے
وہ مرے خواب جلا دیتا ہے
جینے کا جب میں سہارا ڈھونڈوں
وہ ہر اک شمع بجھا دیتا ہے
آشیانے میں جلاؤں جو چراغ
شک کو وہ اور ہوا دیتا ہے

ق

مٹکے بھرنے کو وہ خس کا لائے ڈول
ٹھنڈے میٹھے پانی کو ہے من ترسے
عشق میں دل پگلا اور مکھ پر روپ آیا
من میں اگنی پیلے پھولوں کی بھڑکے
پڑھ کر ماتھے پہ پھونکو کچھ منتر ونتر
شام ڈھلے گھر سے کوئی جب بھی نکلے
دل کش نظاروں کا موسم ہے عنبر
پیڑوں کے ملبوس لیے ہر رُت گزرے

ق

رہ نما بنا بیٹھے
گُل جہاں بنا بیٹھے
ایک دل تھا سرگشتہ
ہم خدا بنا بیٹھے

ق

دار پر حد سے سوا یاد آئی
اس بشر کو تو وفا یاد آئی
گُل کی خوشبو تھی جہاں ناپید
اس گلی بادِ صبا یاد آئی

ق

خزاں کی چشمِ ہوس کا میں انتخاب جو ہُوں
سو میرا ٹوٹنا بنتا ہے اک گلاب جو ہوں
وہ کیوں کرے گا توجہ مری طرف عنبر
اُسے میں مفت میں ہر وقت دستیاب جو ہوں

ایک شعر

مانگ رہا تھا مجھ سے وہ اک آخری شام دسمبر کی
اُس کو کیا معلوم کہ میرا سارا سال اُسی کا تھا

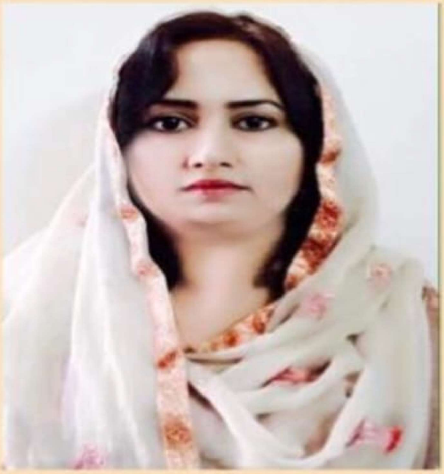

کس کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے
دور تک خواہش اُڑتی جاتی ہے

دل وہ میرا عجب بہانوں سے
توڑتی ہے کبھی بناتی ہے

جب بھی ہوتی ہوں گم کہانی میں
تیری تصویر ڈھونڈ لاتی ہے

دس محرم کو پیاس کربل کی
مجھ کو ہر بار ہی رلاتی ہے

اپنی زرخیزیاں بڑھانے کو
گیلی مٹی مجھے بلاتی ہے

اپنی ہستی ہے نیستی عنبر
راکھ کر کے ہوا اُڑاتی ہے
نادیہ عنبر لودھی

قلم کتاب ای پبلشرز
وٹس ایپ نمبر 03010487501